پاکستان کی تاریخ انتخابات پر ایک نظر اور ووٹ کی شرعی حیثیت

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ
صدر: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

آج سے تقریباً 25 سال قبل حضرت صدرِ وفاق نے مذکورہ بالاعنوان کے تحت یہ جامع مضمون اس وقت لکھا تھا جب ملک پاکستان انتخابی مراحل سے گذر رہا تھا، اس وقت بھی چونکہ ملک بھر میں انتخابی سرگرمیاں زور شور سے جاری ہیں، تو موقع کی مناسبت حضرت صدر وفاق کا یہ گرانقدر مضمون قارئین کی خدمت میں پیش ہے ....(ادارہ)

﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الامانات الى اهلها﴾

قارئین کرام! آج کل ہم پاکستان میں انتخابی عمل سے گزر رہے ہیں اور یہ بھی بلا شبہ ایک اہم حقیقت ہے کہ پاکستان میں انتخابات ملک کی داخلی اور بیرونی صورت حال کے سلسلے میں ایک انتہائی عامل کا درجہ رکھتے ہیں، اسی لیے ہمارے سیاستدان ہمیشہ انتخابات کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں، لیکن اس سلسلے میں بدقسمتی سے ہماری تاریخی روایات اور قومی روایات کچھ زیادہ اچھی ثابت نہیں ہوئی ہیں۔ اول، ہمارے ہاں انتخابات ہی نہیں ہوتے، اکثر و بیشتر مارشل لاء حکومتیں قائم رہی ہیں، چند ایک جو انتخابات ہوئے ہیں وہ بھی حکومت کی مبینہ مداخلت، بے جا طرف داری اور نامناسب دھونس اور دھاندلیوں کا شکار ہوئے ہیں۔ چنانچہ فیلڈ مارشل ایوب خان کے زمانے میں جو الیکشن ہوا اور اس میں جس حکومتی عمل دخل کا بے جا استعمال کیا گیا تھا وہ آج بھی قومی شعور رکھنے والے افراد کو یاد ہے۔ اس کے بعد یحییٰ خان نے بدرجہ مجبوری جب انتخابات کروائے تو پھر انتخابات میں کامیاب ہونے والی جماعت یا منتخب شدہ افراد کو اقتدار کی منصفانہ منتقلی میں وہ ناکام رہے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان اس کے نتیجے میں ہم سے الگ ہوا اور مغربی پاکستان کی حکومت بھٹو صاحب کے

حوالے کی گئی جبکہ دوصوبائی حکومتیں سرحد اور بلوچستان کی جمعیت علمائے اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کو دی گئیں چونکہ اپنی سوچ اور فکر کے اعتبار سے اور نظریاتی طور پر یہ تینوں جماعتیں (پی پی پی، جے یو آئی، اے این پی) آپس میں اختلافات کا شکار تھیں، اس لیے ان کے ذریعہ سے ملک میں ایک مضبوط اور مستقل حکومت کا تصور ناممکن تھا، چنانچہ اپنے نظریاتی اختلاف کے فطری نتیجے کے طور پر نو ماہ میں یہ حکومتیں ٹوٹ گئیں اور ملک میں پھر وہی روایتی ڈکٹیٹرشپ قائم کردی گئی، جس کی بنیاد ظلم، زیادتی، اسراف، اقرباء پروری پر تھی اور ہمارے سیاست دان ایک بار پھر منصفانہ آزادانہ انتخابات کا مطالبہ کرنے لگے۔

1977ء میں جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے ایک بار پھر ملک کی تاریخ میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر ہمارے سیاسی طالع آزماؤں نے کچھ ہوش مندی کا مظاہرہ کیا اور پی این اے کی شکل میں ایک مضبوط اتحاد پی پی کے مقابلہ میں قائم کیا اور پھر پی این اے کے قائد کے طور پر حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے پاکستان پیپلز پارٹی کے مقابلے میں ایک فعال حلیف کا کردار ادا کرنا شروع کردیا، چنانچہ ایک انتخابی نشان لے کر پورے ملک میں قومی وصوبائی سطح پر پاکستان پیپلز پارٹی اور ان کے دوسرے اہم حریف پاکستان نیشنل الائنس ایک دوسرے کے مقابلے پر آگئے۔ محسوس یہ ہوتا تھا کہ پاکستان پی این اے کے امیدوار پی پی پی پر بازی لے جائیں گے لیکن ہماری انتخابی روایات آڑے آئیں اور حکومت کی انتظامی مشینری نے اپنی کمال ہنر مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلیٰ چال بازی کی مثالیں قائم کر کے پی پی کے امیدواروں کو کامیاب کرادیا اور اعلان کیا کہ پاکستان میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابی عمل کے نتیجے میں پاکستان پیپلز پارٹی کو قومی اسمبلی کی نشستوں پر کامیاب قرار دے دیا گیا ہے۔

خیر! کہانی طویل ہے کہ بعد میں پھر صوبائی اسمبلیوں کا بائیکاٹ کیا گیا، انتخابی دھاندلیوں کے متعلق مظاہرے کیے گئے، ہڑتالیں ہوئیں، گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں، بہت سے معصوم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بالآخر اس ملک میں ایک بار پھر مارشل لاء لگا دیا گیا۔

ضیاء صاحب تشریف لائے، انتخابات کے متعلق نئے وعدے وعید ہوئے لیکن گذشتہ انتخابات کے مسخ شدہ نتائج اور تباہ کن اثرات ابھی ان کی نگاہوں میں تھے، اس لیے انتخابات کا اعلان کرنے کے باوجود انہیں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کی جرات نہ ہوسکی، البتہ انتخابات سے متعلق ان کا وعدہ موقع بموقع سنائی دیا جاتا رہا، پھر انہوں نے

ریفرنڈم کرایا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی بلدیاتی انتخابات کرائے، جن کی شہرت کچھ زیادہ اچھی نہیں رہی۔ ہر قسم کے انتخابات میں جعلی ووٹ بھگتائے گئے، نا اہل امیدواروں نے جعل سازیاں کیں اور اس طرح لوگ بلدیاتی ایوانوں میں پہنچ گئے اور صدر صاحب ملک کے نمائندہ صدر مقرر ہو گئے۔

پھر صدر ضیاء الحق نے قومی اور صوبائی سطح پر بھی انتخابات کا فیصلہ کر ہی لیا اور اس کے لیے فروری 1985ء کی تاریخ مقرر کی گئی، اعلان کیا گیا کہ انتخابات غیر جماعتی ہوں گے اور انتخابات میں حصہ لینے والے افراد کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کسی بھی قسم کی بدعنوانی اور لادینیت میں مبتلا نہیں ہوں گے، چنانچہ ایک ضابطہ اخلاق جاری کیا گیا، محسوس یہ ہونے لگا کہ شاید ضیاء صاحب پاکستان کے انتخابات میں پائی جانے والی تمام تر شکایات کے ازالے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں لیکن لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انتخابات سے عین چند روز پہلے ان تمام شرائط کو ختم کر دیا گیا جن کی بنیاد پر ملک کی جمہوری تشکیل نو کے سلسلے میں کافی اصلاحات کی توقع کی جا رہی تھی۔ چنانچہ انتخابات میں ایک بار پھر ہر کہ ومہ حصہ لینے کا اہل قرار دے دیا گیا اور اس سے زیادہ حیرت اہلیان پاکستان کو اس وقت ہوئی جب بلا کسی توقع کے یک بیک مسلم لیگ کو انتخابات میں کامیاب جماعت قرار دے دیا گیا اور حکومت بنانے کی انہیں دعوت دی گئی، چنانچہ جونیجو صاحب بطور وزیر اعظم کے سامنے لائے گئے۔

بہر حال چونکہ جونیجو صاحب اور ان کی جماعت کسی مضبوط بنیاد کے بغیر اور لوگوں کے اعتماد سے ہٹ کر قائم کی گئی تھی اس لیے اسے حکومت کی تشکیل اور حکومت کے قیام کے سلسلے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور جناب ضیاء صاحب جن کے اشارۂ فیض کے نتیجے میں جونیجو صاحب کو حکومت حوالے کی گئی تھی، وہ جب ان سے ناراض ہوئے تو بیک جنبش ان کی حکومت ختم کر دی گئی، حالاں کہ ابھی جونیجو صاحب کی مدتِ حکومت اور مدتِ اقتدار باقی تھی، لیکن ضیاء صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ جونیجو صاحب کے اصل محرک وہ خود ہیں اور عوام میں جونیجو اور مسلم لیگ کی جڑیں کمزور ہیں، اس لیے انہیں بطور چیف یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہیں جونیجو صاحب کو حکومت سے علیحدہ کر دیں۔ بہر حال اس کے بعد الیکشن کے نئے شیڈول کا اعلان کیا گیا، نومبر کی تاریخ بھی مقرر ہوئی اور پھر ضیاء صاحب اپنے طویل منصوبوں اور خیالات ونظریات کو لے کر راہی ملک عدم ہوئے۔

یہ تفصیل شاید آپ کو گراں گذر رہی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا انتخابات کے سلسلے میں ہماری کچھ روایات رہی ہیں، اس لیے ان روایات کو سمجھنے کے لیے سابقہ حالات وواقعات کو ذہن میں لانا نہایت ضروری ہے، اس

لیے انتہائی اختصار سے یہ تفصیل آپ کے سامنے رکھی گئی۔

اب جناب غلام اسحاق خان صدر ہیں۔ آپ نے الیکشن کی تاریخ کی توثیق کرتے ہوئے چیف الیکشن کمشنر کو فوری طور پر نومبر میں انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنانے کا حکم دیا، چنانچہ ایک مرتبہ پھر سیاسی عمل میں تیزی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ پہلے ایک اسلامی جمہوری اتحاد گروپ قائم ہوا جس کے کنوینر جتوئی صاحب مقرر ہوئے اور اس میں مسلم لیگ (ف گروپ)، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام (مولانا درخواستیؒ گروپ)، نیشنل پیپلز پارٹی اور بعض دیگر جماعتیں شامل ہوئیں۔ پھر ایک اور عوامی اتحاد قائم ہوا جس کے کنوینر نورانی صاحب تھے، جس میں مسلم لیگ جونیجو گروپ اور تحریک استقلال شامل ہوئی لیکن ابھی اس اتحاد کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھیں کہ جونیجو صاحب نے سیاسی قلابازی کھائی اور نورانی میاں کو چھوڑ کر اسلامی جمہوری اتحاد میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

واضح رہے کہ جس وقت یہ اتحاد قائم ہو رہا تھا تو یہ اعلان کیا گیا کہ یہ اتحاد پانچ سال کے لیے ہو رہا ہے جب کہ اس کی عمر مکمل پانچ دن بھی ثابت نہ ہو سکی۔

تیسرا اہم سیاسی اتحاد پاکستان پیپلز پارٹی اور جمعیت علماء اسلام (مولانا فضل الرحمٰن) گروپ کے درمیان ہوا۔ زبانی وعدے وعید کے بعد جب یہ اتحاد عملی طور پر سرحد، پنجاب، اور سندھ میں مشترکہ تفصیلات طے کرنے کے لئے بیٹھا تو معلوم ہوا کہ ان میں اتحاد کی کوئی وجہ مشترک موجود نہیں ہے، لہٰذا یہ اتحاد بھی اپنے فطری انجام کو پہنچا اور مولانا فضل الرحمٰن کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ ہمارا پیپلز پارٹی کے ساتھ کیا گیا انتخابی اتحاد ٹوٹ گیا ہے اور انہوں نے اپنی جماعت کے افراد کو ہدایت کی کہ وہ پی پی کا ہر سیٹ پر ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

ملکی سیاست کے اس تناظر سے ہٹ کر کراچی میں سیاسی صورت حال قدرے مختلف ہے، یہاں ایک طرف اسلامی جمہوری اتحاد، عوامی اتحاد، جمعیت علماء اسلام (مولانا فضل الرحمٰن گروپ) اور پی پی کے علاوہ ایم کیو ایم اور پی پی آئی بھی انتخابی میدان میں نمایاں اہمیت رکھتی ہیں، بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں انتخابات ہی اصل میں ان دو آخری جماعتوں کے درمیان یا ایم کیو ایم اور دیگر تمام جماعتوں کے درمیان ہو رہے ہیں تا شاید مبالغہ نہ ہوگا۔ سیاسی تجزیہ نگار یقیناً اپنے تجزیوں کا اظہار کرتے رہے ہیں اور ہمارا مقصد اس وقت یہاں ان صفحات میں کوئی تجزیہ پیش کرنا بھی نہیں ہے بلکہ ہماری تحریر ہمیشہ لسانی اور علاقائی سوچ کے خلاف رہی ہے۔ ہم اس وقت اپنے قارئین سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ انتخابات میں اپنے ووٹ کو انتہائی سوچ سمجھ کر استعمال کریں۔

ووٹ ایک گواہی اور شہادت ہے:......قرآن وحدیث کی روشنی میں ووٹ کو ایک شہادت قرار دیا گیا ہے، اس لیے آپ جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہے ہیں تو گویا آپ یہ شہادت دے رہے ہیں کہ یہ امیدوار اس کام کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کی دیانت داری اور امانت داری آپ کی نگاہ میں درست ہے اور اگر اس امیدوار میں جس کے لیے آپ اپنا ووٹ استعمال کر رہے ہیں یہ صفات نہیں ہیں اور آپ پھر بھی اس کو ووٹ دے رہے ہیں تو یہ ایک جھوٹی شہادت ہوگی جسے گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ بخاری ومسلم کی روایات میں جھوٹی شہادت کو اکبر الکبائر کہا گیا ہے، اس لیے ہمیں اپنی آخرت کو بھی ملحوظ رکھنا ہے اور ووٹ کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے، کسی لالچ یا خوف میں پڑے بغیر اپنے ووٹ کو صحیح امیدواروں کے حق میں استعمال کرنا چاہیے۔ قرآن کریم کی وہ آیت جو ہم نے ان کلمات کی ابتداء میں لکھی ہے، اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ اس میں ہمیں امانت کو صاحب حق کے لیے استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیت کا اگلا جملہ ہے: ﴿واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل﴾ کہ جب تم لوگوں کے درمیان کسی چیز کا فیصلہ کرنے لگو تو پھر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے: ﴿کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط﴾ یہاں مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ شہادت سے اعراض نہ کریں بلکہ ادائیگی شہادت کے لیے کھڑے ہو جائیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا: ﴿ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ﴾ شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو شہادت کو چھپائے گا تو اس کا دل گناہ گار ہوگا۔

ووٹ ایک حیثیت سے سفارش ہے:......ووٹ کی ایک حیثیت شفاعت کی بھی ہے، جس کے معنی آپ سفارش سے کر سکتے ہیں، تو سفارش اس شخص کی کی جانی چاہیے جو آپ کی نظر میں قابل اعتبار، بااخلاق اور کردار وعمل میں پسندیدہ ہو۔ ملک کی بقاء اور استحکام میں اس کا کردار موثر اور مسلّم ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

> ﴿من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها﴾
> ''جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے تو اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور جو بُری سفارش کرتا ہے تو اس کی بُرائی میں اس کا حصہ ہوتا ہے''۔

تو اب بری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نامناسب اور نالائق آدمی کی سفارش کی جائے اور اس کو مخلوق خدا پر مسلط کر دیا جائے اور اچھی سفارش یہ ہے کہ ایک شریف اور دیانت دار آدمی کی سفارش کی جائے جو لوگوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرنا جانتا ہو، لہٰذا یہ بات واضح ہوئی کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں جانے والا امیدوار اپنے

آئندہ تمام اعمال میں جو وہ انجام دے گا چاہے وہ عمل نیک ہو، انسانیت کی بھلائی کے لیے کیا گیا ہو یا وہ عمل برے ہوں کہ ظلم وزیادتی کا ان میں اظہار ہو۔ان تمام اعمال میں ہم اس امیدوار کے شریک سمجھے جائیں گے، جس کی ہم سفارش کر چکے ہیں۔

ووٹ ایک حیثیت سے وکالت ہے:......ووٹ کی ایک تیسری حیثیت بھی ہے، جسے وکالت کی حیثیت کہا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے کہ وہ اسمبلی میں جاکر اس کے اجتماعی حقوق کی وکالت کر سکے، اس لیے اگر کسی اہل آدمی کو اپنا وکیل بنائیں گے تو نہ صرف ہمارے اجتماعی حقوق میں ہماری عمدہ وکالت کرے گا بلکہ پوری قوم کے اجتماعی حقوق کی فکر بھی اس کے ذریعے سے ہوگی اور اگر کوئی نااہل بددین ہماری نمائندگی کے لیے ہمارے ہاتھوں ہی کامیاب ہوا تو پوری قوم کے حقوق تلف کرنے لگا اور جو گناہ اس امیدوار کو ملنے والا ہے اس میں ہم بھی شریک وشامل ہوں گے۔

ووٹ کی تین حیثیتیں:......چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) نے ووٹ کی تین حیثیتیں بیان کی ہیں: (۱)......شہادت (۲)......سفارش (۳)......حقوق مشترکہ میں وکالت۔تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل اور اصل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں، بالکل اسی طرح نااہل، بے دین یا فاسق آدمی کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت، بُری سفارش بھی ہے اور ناجائز وکالت بھی، اس کے تباہ کن ثمرات اس کے نامہ اعمال میں یقیناً لکھے جائیں گے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو رہی ہے کہ ہمیں سچی گواہی سے جان نہیں چرانی چاہیے، اسے ضرور ادا کرنا چاہیے اور آج جو مختلف خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہیں، ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک وصالح افراد انتخابات سے عموماً گریز کرتے ہیں۔پہلے تو وہ بطور امیدوار کھڑے نہیں ہوتے اور جب نااہل افراد بطور امیدوار کے سامنے آتے ہیں تو پھر ان میں نسبتۂ اہل افراد کو ووٹ دینے میں وہ سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔چناں چہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انتخابات کے نتیجے میں جو نمائندے عوام، قومی اور منتخب نمائندوں کی صورت میں پوری قوم کے سامنے آتے ہیں وہ ہم سب کے سامنے خوب ظاہر ہے۔اس لیے موجودہ انتخابات میں نیک، صالح، متقی اور دین دار افراد کی معاونت اوران کو کامیاب کرانا ہماری دینی ذمہ داری ہے۔اس کے مقابلے میں کسی نااہل، بددین اور فاسق امیدوار کے ساتھ تعاون، اس کو جائز، ناجائز اور حرام طریقوں سے کامیاب کرانے کی کوشش کرنا ہمارے لیے حرام اور ناجائز ہے، اس

لیے ہماری یہ ذمہ داری ہے ہم ووٹ ڈالنے سے پہلے اپنے حلقہ انتخاب میں تمام امیدواروں کو اچھی طرح سے پرکھیں، ان کے نظریات سے واقفیت حاصل کریں، ان کی نجی زندگی کو اور اجتماعی تعلقات کو اپنے سامنے رکھیں اور پھر انتہائی دیانت داری سے کسی لالچ وخوف کے بغیر جس نمائندے کو ہم اپنی شہادت، سفارش یا وکالت کے اہل سمجھتے ہوں، اس کی دینی اور اخلاقی صفات کی وجہ سے ہم اسے کامیاب کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے پورے طور پر عہد برآں ہونے کی توفیق عطا فرمائے ، تاہم اپنے ووٹ کو صحیح ، درست اور اسلام پسند امیدواروں کے لئے استعمال کرنے والے ہوں اور ہمارے وطن عزیز پاکستان میں امن وامان قائم ہواور یہ ملک باطل کے خلاف اسلام کا قلعہ ثابت ہو۔ اللہ رب العزت ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد وأصحابه أجمعين

☆......☆......☆

دینی مدارس، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت

برصغیر میں دینی مدارس، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ جنگ اخبار میں لکھنے والے معروف دانشور عبدالقادر حسن کے بقول "اگر یہ مدارس اور جامعات، اور ان میں پڑھنے والے اور پڑھانے والے یہ علمائے کرام نہ ہوتے تو شاید ہم مسلمان بھی نہ ہوتے"۔ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں، کوئی خلاف واقعہ نہیں، اگر آپ اپنے حالات میں غور کریں، تو ہمیں اسلام کے معنی، ایمان کا مطلب، قرآن کا تعارف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا تعارف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اور علوم نبوت کا تعارف، اللہ کی توحید، پیغمبر کی رسالت، عقیدۂ آخرت، جنت اور جہنم، جزا وسزا غرضیکہ جتنی بھی ہماری دنیا اور آخرت سے وابستہ دینی اور ایمانی چیزیں ہیں وہ اگر ہمیں بتائی ہیں تو، مدرسے نے بتائی ہیں، مدرسے کے مولویوں نے بتائی ہیں۔

غالباً ۲۰۰۰ء میں اسلام آباد میں یہ سب سے پہلے ہمارے مذاکرات تھے جس میں جنرل پرویز مشرف صاحب موجود تھے اور کئی سارے جنرل موجود تھے، دینی مدارس پر گفتگو ہورہی تھی تو میں نے وہاں گفتگو کے دوران پرویز مشرف صاحب سے کہا آپ جتنا دین کو جانتے ہیں کہ پانچ نمازیں ہیں، فجر کی دو رکعتیں ہیں، ظہر کی چار ہیں، عصر کی چار ہیں یا جو آپ کو معلومات دین کے بارے میں ہیں یہ آپ کو کہاں سے حاصل ہوئیں، کیا آپ نے کسی کالج، یونیورسٹی میں یہ معلومات حاصل کیں، یہ دین اور اسلام کے بارے میں جو کچھ آپ کو پتہ چلا تو کہاں سے پتہ چلا؟ تو وہ کہنے لگے: مولانا سچی بات یہ ہے کہ میں اپنی فوج کے جس یونٹ میں تھا، اسی یونٹ کی مسجد کا جو خطیب تھا اُس سے جو کچھ قرآن کریم پڑھا یا سیکھا یا جتنا مجھے دین کا پتہ چلا ہے وہ مجھے اپنی فوجی چھاؤنی کے یونٹ کے اس خطیب مولوی سے پتہ چلا اور کہیں سے نہیں۔ آپ پورا جائزہ لے لیں، آرمی اور فوجی افسران میں دیکھ لیں، تاجروں کو دیکھیں، صنعت کاروں کو دیکھیں، بیوروکریسی کو دیکھیں، ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جنہوں نے ذاتی دلچسپی کی بنا پر مطالعہ کیا ہوگا۔

اکثریت کو دین کے بارے میں جو پتہ چلا ہے، وہ مدرسے سے چلا ہے، مسلمان ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک یعنی دنیاوی منصب کے اعتبار سے جتنا کچھ انسان جانتا ہے وہ مدارس کی برکت سے جانتا ہے، اُس کو جو کچھ دین کے بارے میں پتہ چلا ہے یہ اس کو مدرسے نے بتایا ہے، مدرسہ کے مولوی نے بتایا ہے، مسجد کے خطیب نے بتایا ہے، مسجد کے امام نے بتایا ہے۔ (دینی مدارس کا مقدمہ: ۳۳۸)